Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Evolution of Urdu Language in Baltistan

بلتستان میں اردوزبان کا ارتقاء

Muhammad Kamran
PhD Scholar, Department of Urdu, NUML Islamabad
m.akhtarshahin@gmail.com

ABSTRACT

The history of the Urdu language in Baltistan is quite ancient. The language got an opportunity to be introduced in this region during the eras of the Dogras, the Sikhs, and the British. During the reign of the Sikh ruler, Maharaja Ranjit Singh, Urdu found an opportunity to flourish in the royal court. The Dogra government even granted it the status of the official language. Later, during the British rule, Urdu continued to exist in the region as a lingua franca. The local people, being influenced by Islamic culture, gave great importance to Persian and Arabic languages. Initially, there was some hesitation in accepting Urdu as an alternative to Persian, but later it was accepted, and Urdu began to gain popularity in Baltistani society. Along with becoming a medium of expression, literary creation in Urdu also began in the region, and journalism was also initiated. Thus, Urdu progressed very rapidly here, and its evolutionary process continued in every era. After independence, when the people of Baltistan made an unconditional accession to Pakistan, Urdu journalism and literature got further opportunities to develop. Due to the movement of people from Pakistan to this region, an environment was created in which it became possible to understand and speak Urdu in a better way. Today, having progressed, Urdu has become a strong, developed language with a rich literary heritage.

Keywords: *Baltistan, Urdu Language, Evolution, Dogra Era, Journalism, Literary Heritage.*

تعارف

بلتستان میں اردوزبان کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ڈوگروں، سکھوں اور انگریزوں کے زمانے میں یہاں پر اردوزبان کو متعارف ہونے کا موقع ملا۔ سکھ حکمران راجہ رنجیب سنگھ کے دورِ حکومت میں یہاں اردو کو شاہی دربار میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ ڈوگرہ حکومت نے تو اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ بعد میں انگریزی دورِ حکومت میں بھی اردو رابطے کی زبان کے طور پر اس علاقے میں موجود رہی۔ مقامی لوگ اسلامی تہذیب سے متاثر تھے اس لیے انہوں نے فارسی اور عربی زبان کو بہت اہمیت دی۔ شروع میں اردو کو فارسی کے متبادل کے طور پر قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی گئی لیکن بعد میں اسے قبول کر لیا گیا اور اردو کو بلتستان کے معاشرے میں بھی مقبولیت حاصل ہونا شروع ہو گئی۔ یہاں اردو میں اظہار خیا کے ساتھ ساتھ ادب بھی تخلیق ہونا شروع ہو گیا اور صحافت کا بھی آغاز ہوا۔ اس طرح یہاں اردو نے بہت تیزی سے ترقی کی اور اردو کا ارتقائی عمل ہر

دور میں جاری رہا۔ آزادی کے بعد جب بلتستان کے لوگوں نے پاکستان کے ساتھ غیر مشروط الحاق کیا تو اردو صحافت اور ادب کو مزید ترقی کرنے کا موقع ملا۔ پاکستان سے لوگوں کی اس علاقے میں آمدورفت کی وجہ سے ایسا ماحول بن گیا جس ماحول میں اردو کو بہتر انداز میں سمجھنا اور بولنا ممکن ہو گیا۔ آج اردو ترقی کرتے ہوئے ایک مضبوط اور ادبی ورثے کی حامل ترقی یافتہ زبان بن چکی ہے۔

گلگت بلتستان اگرچہ دشوار گزار علاقوں پر خوب صورت سیاحتی مقام ہے۔ جغرافیے، وسائل اور دفاعی اعتبار سے یہ خطہ بہت اہم ہے۔اس لیے ہمیشہ اس علاقے پر دنیا کی اہم طاقتوں کی نظر رہی ہے۔ یہ خطہ ایک متحرک تاریخ بھی رکھتا ہے۔ تاریخی تحرک کی بدولت یہاں علم و ادب بھی ارتقا کی منازل طے کرتا رہا۔ یہاں کے رہنے والے لوگوں کی زندگی مسلسل تحریک اور جدوجہد کا استعارہ ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہاں کا جغرافیہ ہے جو زندگی کو سہولیات اور آسائشوں سے دور رکھتا ہے جبکہ اس کی دوسری وجہ یہاں پر سیاسی سرگرمیاں ہیں۔ سکھوں اور انگریزوں کے زمانے میں یہ بھی یہ علاقہ مقتدر قوتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ انگریزوں کے خیال میں جس طرح ہندوستان کے دوسرے ترقی یافتہ علاقے ان کے اقتدار کی مضبوطی کے لیے اہمیت رکھتے تھے اسی طرح گلگت بلتستان کا علاقہ بھی بہت اہم تھا۔ یہاں پر وہ اپنا اقتدار کمزور نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے جب بھی کوئی مشکوک صورتِ حال دیکھی فوری طور پر اس پر ردِ عمل دکھایا۔ محمد یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں

"مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہد میں ہندوستان کی انگریز سرکار نے روس کے ساتھ ساز باز کے الزام میں اس کو حکومت سے بے دخل کر کے ریاست میں ایک سٹیٹ کونسل قائم کی۔ اسی دوران 1899 میں بلتستان، لداخ اور گلگت کے علاقوں کو ملا کر ایک وزارت (ضلع) وزارت سرحدی کے نام سے تشکیل دی گئی"[i]

اس بات سے یہ اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ دنیا بھر کی تمام تر قوتیں اس علاقے پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی خواہش رکھتی تھیں۔ یوں مختلف اقوام نے اس خطے پر قبضہ کرنے کے لیے قسمت بھی آزمائی۔ اس لیے مختلف ادوار میں گلگت بلتسان کا خطہ سیاسی لحاظ سے ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔

سیاسی اور ریاستی معاملات میں تحرک کے ساتھ ساتھ یہاں لسانی تحریک بھی وقوع پذیر ہوتی رہی۔ مقامی زبانوں کا رائج ہونا تو ایک فطری امر ہے لیکن اس علاقے کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں بیرونی زبانوں کے اثرات بہت نمایاں رہے ہیں۔ جب یہ علاقہ اسلام کے نور سے منور ہوا تو فارسی اور عربی زبان کو اس علاقے میں مقبولیت ملی۔ چوں کہ کشمیر اور بلتستان کے علاقوں میں

اسلام کی آمد کا سبب ایرانی مبلغین اور صوفیا تھے اس لیے یہاں فارسی زبان کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اسی طرح کتاب وسنت کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں موجود ہونے کی وجہ سے عربی زبان کے ساتھ بھی اس علاقے کے لوگوں کی جذباتی وابستگی قائم ہوگئی۔ چوں کہ بلتستان کا خطہ اجتماعی طور پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا اس لیے اسلامی تہذیب وتمدن سے بہت اور عربی وفارسی سے لگاؤ ثقافت کا حصہ بن گئے۔

لسانی ارتقا کا اگلا مرحلہ اس اعتبار سے بہت دلچسپ ہے کہ عوام نے ایک بیرونی زبان کو اپنی دینی زبانوں کے حریف کے طور پر دیکھا اور سمجھا لیکن بیرونی حکمرانوں کے ساتھ اس علاقے میں داخل ہونے والی زبان ہی سب سے مقبول اور طاقت ور زبان بن کر ابھری۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اپنے دین اور نظریے پر سمجھوتہ کیا ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو میں وہ تمام تر ثقافتی رنگ موجود تھے جو کسی بھی دین کے لیے نقصان دہ نہیں تھے اور تمام مذاہب کے لوگ اس زبان کو اپنا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی اور عربی سے ملتے جلتے رسم الخط نے بھی اردو کے بارے میں غلط فہمیوں کے ازالے میں اہم کردار ادا کیا۔ سکھوں کی آمد کے ساتھ ہی پنجابی اور اردو کی کرنیں اس خطے میں بکھرنے لگیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہدِ اقتدار میں بلتستان میں اردو کی صدائیں گونجنا شروع ہوئیں اگرچہ عوامی پذیرائی کا مرحلہ تو ابھی بہت دور تھا لیکن حکمرانوں کے ہاں اردو کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر ممتاز گوہر بیاضِ یکدل کے حوالے سے لکھتے ہیں

"مورخین نے لکھا ہے کہ مہاراجہ اپنے درباریوں اور بے تکلف افراد کے ساتھ پنجابی اور مسلمان ایلچیوں، سیاسی شخصیتوں اور اجنبیوں کے ساتھ اردو میں بات چیت کرتا تھا"[ii]

فطری امر ہے کہ حکمرانوں کا طرزِ عمل عوام اور راستے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے لوگوں کو اردو سننے اور سمجھنے کا موقع میسر آیا۔ اردو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خطے کی تمام تر زبانیں گھل مل جاتی ہیں اور اس کی اجنبیت کا تاثر بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ سکھوں کا عہدِ حکومت اردو کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کی ایک وجہ اردو اور پنجابی کا باہم قرب بھی ہے۔ چوں کہ پنجابی سکھوں کے لیے ایک مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ان کے لیے دیگر زبانوں کے برعکس اردو سمجھنے میں آسان ہے۔ اس لیے سِکھوں کے لیے اردو زبان سے کوئی اجنبیت نہیں ہے۔ اردو کے ساتھ واجبی سا تعلق رکھنے والا پنجابی بھی اردو میں گفتگو کرلیتا ہے۔ رسم الخط کے حوالے سے شاہ مکھی رسم الخط پنجابی اور اردو میں ایک تعلق کی بڑی دلیل ہے۔ عہدِ حاضر میں بھی پنجابی کے دو رسم الخط رائج ہیں۔ پاکستان کے پنجاب میں شاہ مکھی رسم الخط میں پنجابی لکھی جاتی ہے جبکہ ہندوستان میں گُرمکھی رسم الخط

میں پنجابی لکھی جاتی ہے۔ شاہ مکھی رسم الخط پنجابی اور اردو کے باہم تعلق کو مضبوط بناتا ہے۔ ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے تو ایک نظریہ بھی پایا جاتا ہے کہ اردو کا جنم ہی پنجابی سے ہوا ہے۔ لہٰذا سکھوں کے دربار میں اردو زبان کو رابطے کی زبان کی حیثیت حاصل رہی ہے۔اس صورتِ حال میں اردو بولنے والوں کو اہمیت حاصل ہوگئی جبکہ ایسے لوگ جو اردو نہیں سمجھتے تھے ان کے لیے اس نئی زبان سے روشناس ہونے کا موقع پیدا ہوگیا۔اس طرح سکھ عہدِ حکومت میں اردو زبان ذاتی خیالات کے اظہار اور درباری معاملات میں استعمال ہونے والی زبان سے بڑھ کر رابطے کی زبان کے طور پر بھی استعمال ہونا شروع ہوگئی۔ شیر باز علی برچہ اس حوالے سے لکھتے ہیں

"مہاراجہ کی فوج میں بھارت کی بولیوں والے سپاہی شامل تھے۔ڈوگری، کشمیری، پنجابی، پشتو اور ہندکو بولنے والے سپاہی کثرت سے تھے۔ مگر ان میں رابطے کی زبان اردو تھی"[iii]

اگرچہ اردو کو فوجوں کے درمیان رابطے کی زبان قرار دیا جاتا ہے کیوں کہ یہاں پر ہندوستان بھر کے مختلف علاقوں سے آنے والی افواج نے باہم گفتگو کے لیے اردو ہی کو اپنایا تھا۔اس طرح یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اردو میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس زبان کو رابطے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعد میں پاکستانی معاشرے میں اردو کے کردار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو رابطے کے لیے سب سے زیادہ موزوں زبان ہے کیوں کہ یہاں مقامی زبانوں کے درمیان رابطے کے لیے واحد زبان اردو ہی ہے۔

۔بلتستان میں دور دراز سے آنے والے لوگوں میں تاجر بھی تھے جبکہ سیاح بھی اس علاقے کا رخ کرتے ہیں اس لیے یہاں پر رابطے کے لیے ایک مشترکہ زبان کا موجود ہونا بہت ضروری ہے اس لیے یہاں پر اردو نے معاشرے کے مختلف عناصر کے درمیان رابطے کا کام کیا ہے۔ بلتستان میں ملک کے دیگر حصوں سے آنے والے تاجروں اور مقامی افراد کے درمیان گفتگو کے لیے بھی اردو نے رابطے کی زبان کا کام کیا۔یوں یہاں اردو کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی گئیں۔ سرکاری سرپرستی اور عوامی حمایت کی بدولت اردو کی ترقی کا سفر جاری رہا اور ڈوگرہ عہد میں اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا۔اس ضمن میں شمیم بلتستانی لکھتے ہیں

" 1840 میں سقوطِ بلتستان کے بعد جب ڈوگروں کا تسلط ہوا تو ڈوگروں نے اردو کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کر دیا"[iv]

یہ یقینی امر ہے کہ ایسی زبان کو ہی سرکاری زبان کا درجہ دیا جا سکتا ہے جس کو معاشرے میں مقبولیت کا مقام بھی حاصل ہو اور اس زبان میں مہارت رکھنے والے لوگ بھی دستیاب ہوں۔ جب ڈوگروں نے اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا تو بالواسطہ طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد تک اردو اس حد تک مضبوط اور مقبول ہو چکی تھی کہ اس زبان کے استعمال کے ذریعے نظامِ حکومت چلایا جا سکے۔ اردو زبان کی یہ مقبولیت مصنوعی یا عارضی نہیں تھی بلکہ یہ مقبولیت اور اہمیت مستقل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس خطے میں اردو کی ترقی اور مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں کے عہدِ حکومت کے بعد زمینی حقائق کے مطابق انگریزوں نے بھی اس زبان کی اہمیت کو بھانپ لیا۔ جہاں ہندوستان میں اردو کی ترویج کے لیے مختلف ادارے بنائے گئے اور پوری سرگرمی سے اردو کی ترقی کے لیے کام کیا گیا وہاں بلتستان کے خطے میں بھی اردو کی ترقی کا سفر جاری رہا اور اردو زبان یہاں پھلتی پھولتی رہی۔ اس حوالے سے اکبر حسین اکبر لکھتے ہیں

"سکھوں کے بعد انگریزوں کے دور میں بھی یہاں اردو رابطے کے طور پر مستعمل رہی"[v]

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلتستان میں جب سے اردو آئی اس نے رابطے کی زبان کے طور پر کردار نبھایا۔ اردو نے یہاں نہ صرف سماج اور درباروں کی حد تک اپنی اہمیت کو تسلیم کروایا بلکہ سرکاری دفاتر اور عدالتوں جیسے اہم اداروں میں بھی اردو کا چلن عام ہونے لگا۔ فارسی کو یہاں تقدس کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دفتروں میں اردو زبان فارسی کے متبادل کے طور پر سامنے آئی۔ اس لیے بلتستان میں وقت کے ساتھ ساتھ فارسی کو ہٹا کر اردو کو نافذ کرنا پڑا۔ اس حوالے سے حبیب کیفوی لکھتے ہیں

"ڈوگرہ راج کا تیسرا حکمران مہاراجہ پرتاب سنگھ 1885 میں گدی نشین ہوا تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد دفتروں اور عدالتوں کی زبان فارسی کی بجائے اردو ہو گئی"[vi]

اسلام کی اشاعت کے بعد بلتستان کے عام سماج میں اسلامی رنگ نمایاں طور پر نظر آنا شروع ہو گیا۔ دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ زبان کے حوالے سے بھی یہاں حساسیت میں اضافہ ہوا۔ مقامی زبان کے بعد فارسی اور عربی زبان کو مذہب کی نمائندہ زبانیں ہونے کی وجہ سے اہمیت دی گئی۔ اسی طرح اردو کی مخالفت کی گئی۔ چونکہ اس مخالفت کی بنیاد صرف اور صرف جذباتی اور عقیدت پر مبنی جذبات تھے اس لیے اس مخالفت کا دم آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگا اور وقت کے ساتھ ساتھ اردو کی کچھ فطری خصوصیات کی بدولت یہاں لوگوں نے اس زبان کو غیر ارادی طور پر اپنانا شروع کر دیا۔ اردو کو سرکاری سرپرستی تو پہلے ہی

حاصل ہو چکی تھی چنانچہ اس خطے میں اردو نے خوب پھلنا اور پھولنا شروع کر دیا۔ ان حقائق کے حوالے سے شمیم بلتستانی کہتے ہیں

"مقامی زبانوں سے دوستانہ ماحول میں روابط بڑھانے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھنے والی زبان اردو کی مقبولیت بلتستان میں بڑھتی چلی گئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اردو زبان کی دلکشی، اہمیت اور افادیت کے قائل ہوتے چلے گئے" [vii]

ادب کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ زبان کی زندگی اور موت کا انحصار کی ادبی تخلیقات پر ہوتا ہے۔ جن زبانوں میں معیاری ادب تخلیق ہو جاتا ہے وہ زبانین امر ہو جاتی ہیں جبکہ ایسی زبانیں جن میں ادب تخلیق نہیں ہوتا مرنا اور مٹنا ان کا مقدر ہوتا ہے۔ اردو کا شمار دلکش زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس زبان میں اظہارِ خیال کرنے کے بہت سے اسالیب موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ اردو کے ماہر تخلیق کاروں کے لیے اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کے لیے بہت سے متبادل الفاظ موجود ہوتے ہیں۔ نظم اور نثر کے بہت سے طریقے ہیں جن طریقوں سے اپنا مافی الضمیر بیان کیا جا سکتا ہے۔ بلتستان میں عوامی پذیرائی اور دفتری اور عدالتی امور میں اردو کے استعمال کے بعد یہاں ادب کی تخلیق کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ اردو میں باقاعدہ طور پر نثر اور بعد میں شاعری کی صورت میں ادب تخلیق ہونا شروع ہو گیا۔ انگریزوں کے عہد میں ہی یہاں سے اخبار کا اجرا بھی ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہی اردو نے بلتستان میں تعلیمی اداروں میں اردو کی تدریس اور تعلیم کا بندوبست ہونے لگا اور ادب کے مختلف رنگ یہاں بکھرنے لگے۔

قیامِ پاکستان کے بعد گلگت بلتستان کے لوگوں نے غیر مشروط طور پر پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہاں پاکستان کی زبان اور ثقافت کے اثرات بہت نمایاں ہو گئے پاکستانی ادب اور صحافت نے اس علاقے کے اہلِ علم کو براہِ راست متاثر کرنا شروع کیا۔ جذبات اور نظریات کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کا اشتراک بھی شروع ہو گیا۔ ابلاغ کے مختلف ذرائع نے بلتستان کے رہنے والوں کی زبان و ادب کو متاثر کیا۔ اردو زبان کے الفاظ اور لب و لہجے نے بلتی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کیا اس طرح یہاں اردو کو مزید پھیلنے کا موقع ملا۔

پاکستان کے قیام کے بعد اگرچہ زمینی طور پر اس علاقے کے ساتھ رابطہ بہت محدود تھا لیکن حکومت کی کوششوں کی وجہ سے جلد ہی دریاؤں پر پل تعمیر کر کے اور دشوار گزار پہاڑوں سے راستے بنانے کی کوشش کی گئی اور عوامی سطح پر اہل بلتستان کے ساتھ

رابطے مضبوط کر لیے گئے۔ لوگوں کی آمد و رفت نے اہل بلتستان کی لسانی مہارتوں میں اضافہ کیا۔ یوں بلتستان کے صدر مقام سکردو کے ساتھ ساتھ دیگر دور افتادہ علاقوں میں بھی اردو بولنے کا رواج عام ہونے لگا۔

آزادی کے بعد فطری طور پر اردو کی ترویج میں تیزی آئی۔ یہاں ادبی سرگرمیوں کو عروج ملنے لگا۔ چوں کہ پاکستان نے اردو زبان کو قومی زبان کا درجہ دے دیا تھا اس لیے اس خطے میں تعلیمی اداروں میں اردو نصاب کے طور پر پڑھائی جانے لگی۔ بلتستان میں عام لوگوں کی تعلیم سے محبت بہت نمایاں ہے۔ عام لوگوں میں یہ شعور موجود ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سکولوں میں ضرور بھیجتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تعلیمی سہولیات میں اضافے کے ساتھ ساتھ یہاں شرح تعلیم میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اگرچہ تعلیمی میدان میں اردو کی تدریس کے حوالے سے بہت سے مسائل موجود ہیں۔ یہ خطہ بہت دور افتادہ ہے اس لیے اردو زبان و ادب کی تدریس کے ماہرین کا یہاں آنا اور طلبا کو پڑھانا مشکل ہے۔ جس کی وجہ سے مقامی اساتذہ ہی یہاں اردو زبان اور ادب پڑھاتے ہیں جس کی وجہ سے اہلِ زبان کے اسلوبِ تکلم اور طرزِ فکر کو اپنانا یہاں کے طلبا کے لیے ممکن نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود نسلِ نو میں اردو کے اثرات بہت نمایاں نظر آرہے ہیں۔ آج بلتستان میں اچھے خاصے مقامی نوجوان اردو نثر کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بے شمار ادبی انجمنیں اس علاقے کے دور افتادہ علاقوں میں سرگرمِ عمل ہیں۔ یہاں کی تاریخ اور تہذیب و ثقافت کو قلم زد کیا جارہا ہے۔ اردو صحافت ترقی کر رہی ہے اور ادبی تخلیقات بھی وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ اب شاید ہی ادب کا کوئی ایسا گوشہ ہو جس میں اہلِ بلتستان نہ لکھ رہے ہوں ۔

ایک اجنبی اور مسافر زبان کے طور پر بلتستان میں آنے والی زبان آج بلتستان میں ترقی کر چکی ہے اور بلتستان کی سیاست، سماج، تعلیمی اداروں میں پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہی ہے۔ اس وقت گلگت بلتستان کی بھاری اکثریت بہت شوق سے اردو میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتی ہے، طلباء اس زبان میں اپنی نصابی کتب پڑھتے ہیں اور کے لازمی مضمون میں امتحان دیتے ہیں۔ علما اسی زبان میں وعظ کرتے ہیں۔ بلتستان میں اکثر اخبارات اردو زبان میں ہی شائع ہو رہے ہیں اسی طرح ریڈیو پاکستان سکردو اور پاکستان ٹیلی ویژن کے سکردو سٹوڈیو سے اردون میں پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں اردو بولنے والے بھی بڑھ رہے ہیں اور اردو سمجھنے والوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اسی طرح اردو میں ادب تخلیق بھی ہو رہا ہے

اور اس ادب کو پذیرائی بھی مل رہی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بلتستان میں بھی اردو زبان ترقی کا سفر کرنے کے بعد اب ایک ترقی یافتہ قومی زبان کا روپ دھار چکی ہے۔

اگر ہم بلتستان میں اردو زبان کے ارتقا کا خلاصہ کریں تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک اردو اس خطے میں ایک اجنبی اور قابضین کی غیر مقبول زبان کے طور پر داخل ہوئی لیکن آخر کار اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ آج اس علاقے کی رابطے کی سب سے بڑی اور مقبول زبان بن چکی ہے یہاں کے مقامی لوگ بھی ادب تخلیق کرنے کے لیے اسی زبان کا استعمال کر رہے ہیں۔ بلتستان میں اردو نما زبان سے شروع ہونے والی زبان ایک شائستہ اور معیاری اردو بن چکی ہے پاکستان کی مختلف جامعات کے محققین اس خطے میں اردو کی صورتِ حال اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کر رہے ہیں۔ بی ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر درجنوں مقالے بلتستان میں اردو کے حوالے سے لکھے جا چکے ہیں اور کئی موضوعات پر کام جاری ہے۔

حوالہ جات

---

[i] محمد یوسف حسین آبادی، بلتستان پر ایک نظر، شبیر آفسٹ پرنٹر، سکردو، 1984، ص 61

[ii] ڈاکٹر ممتاز گوہر، پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1997، ص 31

[iii] شیر باز علی برچہ، "مجلہ کارواں" (شمارہ سوم) خپلو، کارووان ادب، سنہ ندارد، ص 171

[iv] شمیم بلتستانی، اخبارِ اردو، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، اپریل 1990، ص 23

[v] اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1992، ص 9

[vi] حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1974، ص 45

[vii] شمیم بلتستانی، اخبار اردو، ص 23

SCRR